قوموں میں حقیقی تبدیلی سے پہلے ان کی گفتگوئیں بدلتی ہے

قومیں نعرے بدلنے سے نہیں بدلتی ہیں، وہ تب بدلتی ہیں جب ان کی گفتگو کے موضوعات بدل جاتے ہیں ۔ کوئی معاشرہ جس چیز پر بار بار بات کرتا ہے، جسے سراہتا ہے اور جسے خاموشی سے برداشت کر لیتا ہے، وہی خاموشی سے اس کے مستقبل کی صورت گری کرتی ہے۔ حقیقی تبدیلی اداروں سے نہیں، بلکہ روزمرہ کے مکالمے سے شروع ہوتی ہے ۔ جب افراد شور و غل پر گہرائی کو، شہرت پر دیانت کو، اور خاموشی پر جرات کو ترجیح دیتے ہیں، تو ہر موقعہ پر **ایک دیانتدارانہ گفتگو سے وہ پوری تہذیب کے دھارے کو تبدیل کرنے کا عمل شروع کرتے ہیں۔**

میں نے یہ سوال اس بڑھتے ہوئے احساس کے ساتھ پوچھا کہ میں کسی واضح چیز کو نظر انداز کر رہی ہوں۔ میں نے کہا، "کسی قوم کی سمت کا تعین دراصل کیا چیز کرتی ہے؟ کسی بھی نمایاں مثبت تبدیلی کے ظاہر ہونے سے پہلے، قوم کی سوچ کو کیا چیز ترتیب دیتی ہے؟" انہوں نے فوراً جواب نہیں دیا۔ وہ شاذ و نادر ہی ایسا کرتے تھے۔ وہ واقعے سے ہٹ کر اس کے پیچھے چھپے ہوئے محرکات کا جائزہ لینے کو ترجیح دیتے تھے۔ آخر کار انہوں نے کہا، "تم جو اصل میں پوچھ رہی ہو، وہ صرف سمت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس چیز کے بارے میں ہے جو اسے تشکیل دیتی ہے—اور وہ یہ ہے کہ معاشرے کی گفتگو کس سطح پر آکر ٹھہر گئی ہے۔"

وہ جملہ میرے ذہن میں نقش ہو گیا: 'جہاں گفتگو ٹھہر گئی ہو' ۔ انہوں نے سمجھایا کہ قومیں رات بھر میں عروج حاصل کرتی ہیں نہ زوال پذیر ہوتی ہیں، اور یقیناً ایسا کسی ایک واقعے یا ایک نسل کی وجہ سے نہیں ہوتا ۔ تباہی کے واضح ہونے سے بہت پہلے، کچھ بہت خاموشی سے تبدیل ہوتا ہے: لوگ کس بارے میں بات کرتے ہیں، وہ کس کی تعریف کرتے ہیں، وہ کیا برداشت کرتے ہیں اور کس چیز کا عذر پیش کرتے ہیں ۔ انہوں نے کہا، "کسی قوم کا اصل نصاب درسی کتابوں میں نہیں لکھا ہوتا، بلکہ اس کی روزمرہ کی گفتگو میں تحریر ہوتا ہے ۔"

انہوں نے مجھ سے ایک سادہ سی چیز پر غور کرنے کو کہا ۔ کسی بھی محفل میں بیٹھو—خاندان، کام کی جگہ، کیفے یا سوشل میڈیا فیڈ—اور ذرا سنو ۔ گفتگو پر کیا چیز حاوی ہے؟ ہیرو کون ہیں؟ عزت کس کے حصے میں آتی ہے؟ قہقہے کس بات پر لگتے ہیں؟ اور کس معاملے پر خاموشی اختیار کی جاتی ہے؟ انہوں نے کہا، "جب کوئی قوم زوال پذیر ہوتی ہے، تو اس کے ہیرو فنکار، انفلوئنسرز (Influencers) اور کھلاڑی بن جاتے ہیں—اس لیے نہیں کہ یہ پیشے برے ہیں، بلکہ اس لیے کہ گہرائی، اخلاقیات اور علمی پختگی اب ان کے لیے آئیڈیل یا معیارِ زندگی نہیں رہتے ۔"

میں نے بے چینی محسوس کی، کیونکہ میں یہ سب ہر جگہ دیکھ سکتا تھا ۔ ہم گھنٹوں مشہور شخصیات پر جوش و خروش سے بحث کر سکتے تھے، لیکن جب بات اخلاقیات، ذمہ داری یا اجتماعی احتساب کی طرف مڑتی، تو ہم اکتا جاتے ۔ انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "اور جب کوئی قوم عروج کی طرف بڑھنا شروع کرتی ہے، تو آپ کو ایک تبدیلی نظر آئے گی ۔ اخلاقی وضاحت (Moral clarity) قابلِ ستائش ٹھہرتی ہے ۔ علمی سنجیدگی پر کشش بن جاتی ہے ۔ دیانت داری ایک منزل بن جاتی ہے ۔" وہ کوئی خیالی باتیں نہیں کر رہے تھے، بلکہ وہ تاریخ بیان کر رہے تھے ۔ انہوں نے مجھے یاد دلایا کہ تہذیبیں اپنے عروج پر صرف سڑکیں اور ادارے ہی نہیں بناتی تھیں، بلکہ وہ بلند پایہ نظریات (Ideals) تخلیق کرتی تھیں ۔ دانشوروں کی تکریم کی جاتی تھی ۔ اخلاقی جرات کا جشن منایا جاتا تھا ۔ سوال پوچھنے کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی اور ذمہ داری کو سراہا جاتا تھا۔

پھر انہوں نے کچھ ایسا کہا جس نے مجھے شش و پنج میں ڈال دیا: "ہم اکثر چاہتے ہیں کہ قومیں بدل جائیں لیکن لوگوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی اجازت نہیں دیتے ۔" میں فوراً نہ سمجھ سکا ۔ انہوں نے وضاحت کی، "نظریات کو بدلنے کے لیے، آپ کو اختلافِ رائے کو برداشت کرنا پڑتا ہے ۔ آپ کو لوگوں کو موروثی وفاداریوں پر سوال اٹھانے کی اجازت دینی پڑتی ہے ۔ آپ کو افراد کو خاندان، قبیلے، پارٹی اور نعرے سے بالاتر ہو کر آگے بڑھنے دینا ہوتا ہے ۔" یہ ایک تکلیف دہ عمل ہے کیونکہ یہ کنٹرول کو درہم برہم کرتا ہے اور مروجہ سکون کے لیے خطرہ بنتا ہے ۔ انہوں نے کہا، "تو اس کے بجائے، ہم انہی پرانے نظریات سے چمٹے رہتے ہیں، انہی مسائل کا رونا روتے ہیں، اور انہی دشمنوں کو موردِ الزام ٹھہراتے ہیں، کیونکہ یہ زیادہ آسان ہے ۔"

میں نے سوچا کہ ہم اکثر کس قدر آسانی سے زوال کی وجہ بیرونی طاقتوں، سازشوں اور دشمنوں کو قرار دیتے ہیں، جبکہ اپنی ان تہذیبی عادات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں جو دراصل اس گراوٹ کی جڑ ہیں۔ انہوں نے ناانصافی یا بیرونی جبر سے انکار نہیں کیا ۔ لیکن ان کا اصرار تھا کہ کوئی بھی بیرونی قوت کسی معاشرے کو تب تک کھوکھلا نہیں کر سکتی جب تک اس کی اندرونی بنیادیں پہلے سے کمزور نہ ہوں ۔ انہوں نے کہا، "ایک معاشرہ تب تباہ ہوتا ہے جب وہ بہتر سوال پوچھنا چھوڑ دیتا ہے ۔" یہ جملہ میرے دل کو لگا ۔

انہوں نے ایک سادہ سی مثال دی ۔ اگر نوجوان یہ سنتے ہوئے پروان چڑھیں کہ کامیابی صرف شہرت، دولت یا غلبہ حاصل کرنا ہے، تو وہ اپنی زندگیاں اسی کے مطابق ڈھال لیں گے ۔ اگر وہ یہ سنتے ہوئے بڑے ہوں کہ وقار، سچائی اور علمی گہرائی اہمیت رکھتی ہے، تو وہ جدوجہد تو کریں گے لیکن ان کا ارتقا مختلف ہوگا ۔ انہوں نے کہا، "نظریات بدلو، رویے خود بدل جائیں گے ۔ گفتگو بدلو، تو تقدیر بدلنا شروع ہو جائے گی ۔"

میں نے ان سے وہی سوال پوچھا جو اکثر ایسے موقع پر ذہن میں آتا ہے، "لیکن ایک فرد واحد کیا کر سکتا ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرائے، وہ اس سوال پر ہمیشہ مسکراتے تھے ۔ انہوں نے کہا، "آپ کسی قوم کو نہیں بدل سکتے ۔ لیکن آپ ایک گفتگو کو بدل سکتے ہیں ۔" انہوں نے سمجھایا کہ ہر بڑی تبدیلی مقامی سطح سے شروع ہوتی ہے—خاندانوں، کلاس رومز، دوستیوں اور کام کی جگہوں سے ۔ جس چیز کو ہم چھوٹے حلقوں میں معمول (Normalize) بنا لیتے ہیں، وہ آخر کار بڑے پیمانے پر پھیل جاتی ہے ۔ "آپ جس چیز کی تعریف کرتے ہیں، جس کا عذر پیش کرتے ہیں اور جس پر خاموش رہتے ہیں—تبدیلی وہیں سے شروع ہوتی ہے ۔"

مجھے تب احساس ہوا کہ ذاتی اصلاح کے بغیر قومی اصلاح کا انتظار کرنا اصل میں ذمہ داری سے بچنے کی ایک اور شکل ہے ۔ ہم شرکت کے بغیر نتائج چاہتے ہیں ۔ انہوں نے خاموشی سے، تقریباً نرمی کے ساتھ بات ختم کی: "قومیں نعرے بدلنے سے نہیں بدلتیں، بلکہ تب بدلتی ہیں جب ان کی گفتگو بدلتی ہے ۔ اور گفتگو تب بدلتی ہے جب افراد سطحی ہونے سے انکار کر دیتے ہیں ۔"

جب میں نے ان کے الفاظ پر غور کیا، تو ایک بات واضح ہو گئی: اگر کوئی معاشرہ اخلاقی الجھن کا شکار ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ الجھن اب معمول بن چکی ہے ۔ اگر بے حسی اور ظلم قابلِ قبول محسوس ہوتا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ گفتگو سے ہمدردی رخصت ہو چکی ہے ۔ اگر ضمیر کے بغیر ذہانت موجود ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اب ضمیر کی قدر نہیں کی جاتی ۔ اور شاید سب سے زیادہ تکلیف دہ سچ یہ ہے: اس سے پہلے کہ قوم بدلے، کسی نہ کسی کو، کہیں نہ کہیں، اپنے بولنے، سننے اور سوچنے کا انداز بدلنا ہوگا ۔

یہ کام پارلیمنٹ یا اخبارات کی شہ سرخیوں سے شروع نہیں ہوتا ۔ یہ ان کمروں سے شروع ہوتا ہے جہاں میں بیٹھا تھا—ایک سوال سے، اور اسے ایمانداری سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی جرات سے ۔